The Lighthouse Journal of Literature & Linguistics, Vol. 05, Issue 01, Summer 2026, pp. 36-46

کرشن چندر کے افسانوں "مہالکشمی کا پل" اور "بھوت" میں جبلتِ بقا اور معاشی استحصال

Farida Usman[1], Naveela Khanum[2], Fatima Hayat[3]

ABSTRACT

This research paper examines Krishan Chander's short stories "Mahalakshmi Ka Pul" and "Bhoot" in the context of survival instinct and economic exploitation. The primary objective of this study is to explore how Krishan Chander represents hunger not merely as a biological need but as a social and economic tragedy rooted in class inequality, exploitation, and the unequal distribution of resources. In Mahalakshmi Ka Pul, symbolic elements such as the sari, the hearth, and the lives of working-class women portray economic disparity, class identity, and social deprivation. In Bhoot, hunger is transformed into a powerful metaphor that challenges the hollow claims of peace, freedom, and progress in a society where the poor continue to suffer from poverty and starvation. This study employs a qualitative textual and analytical approach. The theoretical framework draws upon Abraham Maslow's theory of human needs, Karl Marx's concept of economic exploitation, and Amartya Sen's Entitlement Theory to examine the relationship between hunger, survival, and structural inequality. The findings reveal that Krishan Chander presents hunger not as an individual or natural condition but as the consequence of an exploitative socio-economic system that deprives the working class of its basic rights and dignity. Furthermore, symbols such as the sari, the hearth, the ghost, milk, and nakedness function as powerful literary devices that expose human suffering, class oppression, and economic injustice. The study concludes that Krishan Chander's fiction offers a profound critique of social inequality and advocates human dignity, economic justice, and social equality, making these stories highly relevant to contemporary socio-economic realities.

Keywords: *Krishan Chander, Mahalakshmi Ka Pul, Bhoot, Hunger, Survival Instinct, Economic Exploitation, Class Inequality, Symbolism, Progressive Literature.*

اردو افسانے کی روایت میں کرشن چندر ایسے ممتاز افسانہ نگار ہیں جنہوں نے انسانی زندگی کے تلخ حقائق، معاشرتی ناہمواری، طبقاتی استحصال اور معاشی محرومی کو نہایت مؤثر اور فنی انداز میں اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ ان کا تعلق ترقی پسند تحریک سے تھا، تاہم ان کے افسانے محض نظریاتی منشور نہیں بلکہ انسانی نفسیات، سماجی رویوں اور تہذیبی اقدار کی عمیق تفہیم بھی پیش کرتے ہیں۔ کرشن چندر کے ہاں انسان اپنی تمام تر کمزوریوں، محرومیوں، خواہشات اور جدوجہد کے ساتھ نمایاں ہوتا ہے، اسی لیے ان کے افسانے ہر عہد میں معنویت کے حامل دکھائی دیتے ہیں۔ان کے افسانوی

[1]Lecturer in Urdu, Higher Education Department, Khyber Pakhtunkhwa , Pakistan
[2]Associate Professor, Govt. Girls Postgraduate College Haripur, Khyber Pakhtunkhwa, Pakistan
[3]Assistant Professor, Govt. Girls Commerce College, Arbab Road Peshawar. Corresponding Author Email: fatima24830@gmail.com

Manuscript Submitted: March 16, 2026
Manuscript Accepted: March 30, 2026

ادب میں بھوک محض خوراک کی کمی کا نام نہیں بلکہ ایک ایسے استحصالی معاشرتی نظام کی علامت ہے جو انسان کو اس کی بنیادی ضروریات سے محروم کر دیتا ہے۔ یہی بھوک انسان کی جبلتِ بقا، اس کے وقار، سماجی رشتوں اور اخلاقی اقدار کو متاثر کرتی ہے۔ اس لیے ان کے افسانوں میں بھوک ایک سماجی، معاشی اور تہذیبی مسئلہ بن کر سامنے آتی ہے، جس کی جڑیں طبقاتی عدم مساوات اور سرمایہ دارانہ استحصال میں پیوست ہیں۔

افسانہ **"مہالکشمی کا پل"** محض ممبئی کے ایک پل یا چند کرداروں کی داستان نہیں بلکہ پورے ہندوستانی معاشرے کی تاریخی، سماجی اور معاشی ساخت کی علامتی تعبیر ہے۔ افسانے میں مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والی عورتوں، ان کی ساڑیوں، رنگوں اور طرزِ زندگی کے ذریعے ہندوستانی سماج میں موجود طبقاتی تقسیم، معاشی ناہمواری اور انسانی محرومی کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ افسانہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ تہذیب، ترقی اور شہری زندگی کی چمک دمک کے پس منظر میں ایک ایسا محنت کش طبقہ بھی موجود ہے جو اپنی بنیادی ضروریات کے حصول کے لیے مسلسل جدوجہد کر رہا ہے۔کرشن چندر کے نزدیک طبقاتی کشمکش صرف معاشی تفاوت تک محدود نہیں بلکہ یہ انسانی وقار، سماجی شناخت اور باعزت زندگی کے حق سے بھی وابستہ ہے۔ اسی لیے افسانے کی ہر عورت اپنی معاشی حیثیت کے مطابق ایک الگ سماجی شناخت رکھتی ہے، جبکہ اس کی ساڑی اس کے طبقے، حالاتِ زندگی اور معاشی امکانات کی علامت بن جاتی ہے۔ یوں **"مہالکشمی کا پل"** ہندوستانی معاشرے کی طبقاتی ساخت کا ایک زندہ استعارہ بن کر سامنے آتا ہے، جہاں دولت اور غربت، آسائش اور محرومی، وقار اور بے بسی ایک ہی پل پر ایک دوسرے کے ساتھ موجود ہیں، مگر ان کے درمیان معاشی فاصلے برقرار رہتے ہیں۔افسانہ اس حقیقت کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ معاشی استحصال صرف مادی محرومی پیدا نہیں کرتا بلکہ انسان کے احساسِ تحفظ، سماجی اعتماد اور باوقار زندگی کے حق کو بھی متاثر کرتا ہے۔ اسی لیے اس افسانے میں طبقاتی کشمکش ایک معاشی مسئلہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک تہذیبی اور انسانی مسئلہ بھی بن جاتی ہے۔ کرشن چندر ترقی پسند فکر کے تناظر میں یہ مؤقف اختیار کرتے ہیں کہ جب تک معاشرے میں وسائل کی منصفانہ تقسیم اور معاشی انصاف قائم نہیں ہوتا، اس وقت تک بھوک، محرومی اور طبقاتی تفاوت ہندوستانی سماج کا مستقل المیہ بنے رہیں گے۔

مہالکشمی کا پل" میں جہاں مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والی خواتین اور ان کی ساڑیوں کو علامتی پیرائے میں پیش کرتے ہوئے معاشی ناہمواری، طبقاتی شناخت اور سماجی تفاوت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس **"بھوت"** میں کرشن چندر نے بھوک کو ایک ایسے علامتی استعارے میں ڈھالا ہے جو جنگ، سیاست اور نام نہاد ترقی کے تمام دعووں کو بے معنی کر دیتا ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے کے باوجود غریب انسان بھوک، افلاس اور محرومی کا شکار ہے، جس سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ انسانیت کا اصل دشمن جنگ نہیں بلکہ وہ معاشی نظام ہے جو دولت اور وسائل کو چند ہاتھوں تک محدود رکھ کر اکثریت کو بنیادی ضروریات سے محروم کر دیتا ہے۔

نفسیاتی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو انسان کی پہلی اور بنیادی ضرورت بقا ہے۔ جب خوراک، تحفظ اور بنیادی وسائل میسر نہ ہو تو انسان کی شخصیت، سوچ، رویے اور سماجی تعلقات گہرے طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان افسانوں میں بھوک صرف جسمانی ضرورت نہیں بلکہ ایک ایسی نفسیاتی، سماجی اور تہذیبی قوت کے طور پر سامنے آتی ہے جو انسان کے کردار، فیصلوں اور طرزِ حیات کو تشکیل دیتی ہے۔ اس تناظر میں **جبلتِ بقا**(Survival Instinct)) محض حیاتیاتی تقاضا نہیں رہتی بلکہ معاشی استحصال، طبقاتی تقسیم اور سماجی ناانصافی کے خلاف انسانی جدوجہد کی علامت بن جاتی ہے۔ سگمنڈ فرائیڈ (Sigmund Freud) نے انسانی شخصیت کی تشکیل میں جبلتوں کو بنیادی اہمیت دی۔ ان کے مطابق انسان کے رویوں کے پس منظر میں ایسی فطری قوتیں کارفرما ہوتی ہیں جو

اس کی بقا، تسکین اور خواہشات کی تکمیل کی طرف مائل کرتی ہیں۔ فرائیڈ نے بعد میں اپنی تصنیف *Beyond the Pleasure Principle* (1920) میں دو بنیادی جبلتوں، **جبلتِ حیات ((Eros** اور **جبلتِ موت ((Thanatos**، کا تصور پیش کیا۔ جبلتِ حیات انسان کو زندگی، محبت، خوراک، افزائشِ نسل اور بقا کی طرف مائل کرتی ہے، جبکہ جبلتِ موت تباہی، جارحیت اور فنا کی نمائندگی کرتی ہے۔ معاشی محرومی اور شدید بھوک کے حالات میں انسان کی جبلتِ حیات مسلسل آزمائش سے گزرتی ہے، اور یہی کشمکش انسانی المیے کو جنم دیتی ہے۔

The aim of all life is death."1

ابراہم میسلو (Abraham H. Maslow) نے 1943ء میں اپنے معروف تحقیقی مقالے **"A Theory of Human Motivation"** میں انسانی ضروریات (Hierarchy of Needs) کا نظریہ پیش کیا، جس کے مطابق انسان کی تمام ضروریات ایک تدریجی ترتیب رکھتی ہیں۔ اس ترتیب میں سب سے پہلی اور بنیادی حیثیت **جسمانی ضروریات ((Physiological Needs** کی ہے، جن میں خوراک، پانی، نیند، رہائش اور دیگر بنیادی تقاضے شامل ہیں۔ میسلو کے مطابق جب تک یہ ضروریات پوری نہ ہوں، انسان تحفظ، محبت، عزتِ نفس اور خود تکمیل (Self-Actualization) جیسے اعلیٰ مدارج تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس نظریے سے واضح ہوتا ہے کہ بھوک صرف جسمانی ضرورت نہیں بلکہ انسانی زندگی کی بنیاد ہے، کیونکہ اس کی عدم تکمیل انسان کے تمام انفرادی اور سماجی رویوں کو متاثر کرتی ہے۔

میسلو لکھتے ہیں

"It is also probably true that higher needs may
occasionally emerge, not after gratification,
but rather after forced or voluntary deprivation,
renunciation, or suppression of lower basic
needs and gratifications."2)

ان ضروریات کو اس طرح نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ انسانی رویّے کی واحد یا حتمی محرک ہیں۔ مثال کے طور پر کھانا کھانا، جنسی رویّہ یا دیگر جسمانی افعال بظاہر جسمانی ضروریات سے وابستہ دکھائی دیتے ہیں، لیکن ماہرینِ نفسیات نے طویل عرصے سے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ ایک ہی رویّے کے پسِ پشت متعدد محرکات کارفرما ہوتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں، انسانی رویّہ عموماً ایک ہی ضرورت کا نتیجہ نہیں بلکہ کئی بنیادی ضروریات کے باہمی اثر سے تشکیل پاتا ہے۔ مثال کے طور پر کھانا صرف بھوک مٹانے کے لیے نہیں کھایا جاتا بلکہ سکون، اطمینان اور دیگر ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔

These needs must be understood not to be
exclusive or single determiners of certain kinds of behavior.3

کرشن چندر کے افسانوں **"مہالکشمی کا پل"** اور **"بھوت"** کا مطالعہ میسلو کے نظریے کی روشنی میں کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان افسانوں کے کردار اپنی بنیادی ضروریات، خصوصاً خوراک اور بقا، کے لیے مسلسل جدوجہد کرتے ہیں۔ "بھوت" میں بھوک ایک ایسے سماجی المیے کی صورت اختیار کر لیتی ہے جو انسان کی زندگی، اس کے خواب اور اس کی عزتِ نفس کو نگل جاتی ہے، جبکہ "مہالکشمی کا پل" میں طبقاتی تفاوت اور معاشی ناہمواری یہ واضح کرتی ہے کہ جب معاشرے میں وسائل کی تقسیم غیر منصفانہ ہو تو انسان کی بنیادی ضروریات بھی طبقاتی امتیاز کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اس طرح کرشن چندر بھوک کو انفرادی مسئلہ نہیں بلکہ ایک استحصالی معاشی نظام کی

پیداوار قرار دیتے ہیں، جو انسان کی جبلتِ بقا کو مسلسل آزمائش میں مبتلا رکھتا ہے۔ایرک فروم (Erich Fromm) نے سرمایہ دارانہ معاشرے میں انسان کی بیگانگی، عدمِ تحفظ اور معاشی استحصال کو انسانی شخصیت کی شکست و ریخت کا بنیادی سبب قرار دیا۔ ان کے مطابق جب معاشرہ انسان کی بنیادی ضروریات پوری کرنے میں ناکام رہتا ہے تو وہ اپنی آزادی، شناخت، محبت اور انسانی وقار سے بھی محروم ہونے لگتا ہے۔ اس طرح معاشی استحصال صرف معاشی مسئلہ نہیں رہتا بلکہ ایک گہرا نفسیاتی اور وجودی بحران بن جاتا ہے۔

کرشن چندر کے افسانوں **"مہالکشمی کا پل"** اور **"بھوت"** میں **جبلتِ بقا** انسانی زندگی کے بنیادی محرک کے طور پر سامنے آتی ہے۔ دونوں افسانے اس حقیقت کو آشکار کرتے ہیں کہ جب انسان اپنی بنیادی ضروریات، خصوصاً خوراک، رہائش اور باعزت زندگی سے محروم ہو جائے تو اس کی تمام جدوجہد بقا کے گرد مرکوز ہو جاتی ہے۔ کرشن چندر نے اس انسانی جدوجہد کو محض انفرادی مسئلہ نہیں بنایا بلکہ اسے ایک ایسے معاشرتی اور معاشی نظام سے جوڑا ہے جس میں وسائل کی غیر مساوی تقسیم، طبقاتی تفاوت اور سرمایہ دارانہ استحصال نے غریب طبقے کی زندگی کو مسلسل اذیت سے دوچار کر رکھا ہے۔

> This classification of basic needs makes some attempts to take account of the relative unity behind the superficial differences in specific desires from one culture to another…… The claim is made only that it is relatively more ultimate, more universal, more basic than the superficial. (4)

کرشن چندر ان دونوں افسانوں کے ذریعے یہ مؤقف پیش کرتے ہیں کہ جب ریاست اور معاشرہ انسان کی بنیادی ضروریات پوری کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو **جبلتِ بقا** ایک مسلسل جدوجہد کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ ایسی صورت میں بھوک صرف جسمانی ضرورت نہیں رہتی بلکہ ایک سماجی المیہ بن جاتی ہے، جو انسان کی زندگی، اس کے رشتوں، اس کی امیدوں اور اس کے وقار کو متاثر کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کرشن چندر کے نزدیک بھوک فطری نہیں بلکہ ایک استحصالی معاشی نظام کی پیدا کردہ حقیقت ہے، اور اسی نکتے پر ان کے افسانوں کی ترقی پسند فکر استوار ہوتی ہے۔

"یکایک اس کی بیوی نے ایک چیخ کے ساتھ اپنے سر کو وہتڑ سے پیٹ ڈالا ...

وہ بے وقوف عورت بار بار اپنے پستانوں کو اس کے مردہ ہونٹوں میں ٹھونسنے کی

کوشش کر رہی تھی، اس لیے کہ اس کی مامتا کے پاس دودھ

بھرے پستانوں کے سوا کچھ نہ تھا۔" 5

میسلو کے مطابق جسمانی ضروریات، خصوصاً خوراک، انسانی ضروریات کی بنیادی سطح تشکیل دیتی ہیں۔ جب خوراک جیسی بنیادی ضرورت پوری نہ ہو تو انسانی زندگی کی بقا ہی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ کرشن چندر اسی حقیقت کو ایک ماں اور بچے کے رشتے کے ذریعے مجسم کرتے ہیں۔ یہاں بھوک کسی مجرد تصور کے بجائے ایک ایسی معاشی حقیقت بن جاتی ہے جو براہِ راست انسانی زندگی کو ختم کر رہی ہے۔اسی مقام پر امرتیہ سین کا نظریۂ Entitlementبھی اہم ہو جاتا ہے۔ سین کے مطابق بھوک کو صرف خوراک کی قلت کے ذریعے نہیں سمجھا جا سکتا؛ بعض اوقات معاشرے میں

خوراک موجود ہونے کے باوجود افراد اس تک رسائی کے معاشی ذرائع سے محروم ہوتے ہیں۔ کرشن چندر کے افسانے میں بھی اصل مسئلہ یہی ہےغریب خاندان کے پاس اپنی بنیادی ضرورت پوری کرنے کے لیے مناسب معاشی وسائل موجود نہیں۔ چنانچہ بھوک ایک **معاشی اور طبقاتی مسئلہ** بن جاتی ہے، نہ کہ محض قدرتی یا انفرادی محرومی۔افسانہ نگار کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے بھوک کو محض جسمانی ضرورت نہیں بلکہ ایک ایسی علامتی قوت کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو انسانی وجود، سماجی ڈھانچے اور اخلاقی اقدار کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ افسانے کا پس منظر دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے کی خوشیوں سے وابستہ ہے، لیکن مصنف اس تاریخی موقع کو ایک تلخ سوال میں تبدیل کر دیتے ہیں کہ اگر جنگ ختم ہو چکی ہے تو پھر انسان اب بھی بھوک، افلاس اور محرومی کے ہاتھوں کیوں مر رہا ہے؟ اس طرح "بھوت" میں اصل دشمن کوئی بیرونی طاقت نہیں بلکہ بھوک، غربت اور استحصالی معاشی نظام ہے۔افسانے میں مچھلی فروش خاندان کی زندگی اس معاشی استحصال کی نمائندہ تصویر ہے، جہاں ایک معصوم بچہ بھوک اور بیماری کے باعث دم توڑ دیتا ہے۔ بچے کی ماں کی بے بسی اور ممتا، انسانی جبلتِ بقا کی شدید ترین صورت کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ اپنے بچے کو بچانے کے لیے بے اختیار اسے اپنا دودھ پلانے کی کوشش کرتی ہے، حالانکہ بچہ مر چکا ہوتا ہے۔ یہ منظر اس حقیقت کی علامت ہے کہ ماں کی محبت اور جبلتِ بقا استحصالی معاشرتی نظام کے سامنے بے بس ہو چکی ہے۔

اس کا لڑکا اس کی گود میں دم توڑ رہا تھا... وہ ننگا تھا اور اس کی بیوی ننگی تھی،

اور اُن کے آنسو ننگے تھے اور ان کی ہنسی ننگی تھی۔" (6)

کرشن چندر محض ایک ماں کے ذاتی دکھ کو بیان نہیں کرتے بلکہ اس معاشرتی المیے کو آشکار کرتے ہیں جس میں بھوک، غربت اور معاشی استحصال ایک معصوم جان کی موت کا سبب بنتے ہیں۔ بچے کی موت کے بعد بھی ماں کا بار بار اپنے دودھ سے بھرے پستان اس کے مردہ ہونٹوں سے لگانا اس بات کی علامت ہے کہ ماں کی مامتا اپنی آخری حد تک اپنی اولاد کو زندگی سے وابستہ رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ منظر اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ ماں کے پاس اپنے بچے کو دینے کے لیے محبت اور دودھ تو موجود ہے، لیکن وہ خوراک، دوا اور علاج فراہم کرنے سے قاصر ہے، کیونکہ یہ ذمہ داری فرد کی نہیں بلکہ معاشرے اور ریاست کی ہوتی ہے۔یہ اقتباس ابراہم میسلو کے نظریۂ ضروریات (Hierarchy of Needs) کی بھی تائید کرتا ہے، جس کے مطابق خوراک اور دیگر جسمانی ضروریات انسانی زندگی کی اولین ضرورت ہیں۔ جب انسان ان بنیادی ضروریات سے محروم ہو جائے تو اس کے لیے آزادی، وقار اور سماجی ترقی کی تمام بحثیں ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی ہیں۔ کرشن چندر اسی حقیقت کو فنکارانہ انداز میں پیش کرتے ہیں کہ بھوک انسان سے صرف زندگی ہی نہیں چھینتی بلکہ اس کی امید، عزت اور مستقبل کو بھی نگل لیتی ہے۔ اس طرح ماں کا کردار صرف ایک فرد کی نمائندگی نہیں کرتا بلکہ ان تمام مظلوم ماؤں کی علامت بن جاتا ہے جو استحصالی معاشرتی نظام میں اپنی اولاد کی بقا کے لیے بے بس دکھائی دیتی ہیں۔

نفسیاتی اعتبار سے یہ منظر **جبلتِ بقا ((Survival Instinct** کی انتہائی المناک صورت ہے۔ فرائیڈ کے مطابق جبلتِ حیات (Eros) انسان کو زندگی کے تحفظ اور بقا کی طرف مائل کرتی ہے، جبکہ میسلو کے نظریۂ ضروریات کے مطابق خوراک اور جسمانی بقا انسانی زندگی کی اولین ضرورت ہیں۔ جب یہ بنیادی ضروریات پوری نہ ہوں تو انسان کی نفسیاتی، جذباتی اور سماجی زندگی بکھرنے لگتی ہے۔ افسانے میں بچے کی موت دراصل صرف ایک فرد کی موت نہیں بلکہ اس معاشرتی نظام کی ناکامی کی علامت ہے جو اپنے کمزور ترین افراد کو زندہ رکھنے میں ناکام رہتا ہے۔

کرشن چندر نے اس اقتباس میں **"ننگا"** کی تکرار کے ذریعے ایک گہرا علامتی نظام تشکیل دیا ہے۔ یہاں ننگا پن صرف لباس سے محرومی کا استعارہ نہیں بلکہ اس معاشرتی نظام کی بے حسی اور معاشی ناانصافی کی علامت ہے جس نے انسان کو اس کی بنیادی ضروریات، عزتِ نفس اور حقِ زندگی سے بھی محروم کر دیا ہے۔ مصنف جب لکھتے ہیں کہ *"ان کے آنسو ننگے تھے اور ان کی ہنسی ننگی تھی"* تو وہ اس حقیقت کو نمایاں کرتے ہیں کہ غربت انسان سے صرف لباس نہیں چھینتی بلکہ اس کے جذبات، خوشیاں اور دکھ بھی معاشرتی تحفظ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ یوں انسان اپنی تمام تر محرومی کے ساتھ معاشرے کے سامنے بے آسرا کھڑا دکھائی دیتا ہے۔اس منظر میں کرشن چندر نے طبقاتی تفاوت پر نہایت مؤثر طنز کیا ہے۔ ایک طرف جنگ کے خاتمے کی خوشیاں، جشن اور روشنیاں ہیں، جبکہ دوسری طرف ایک غریب خاندان بھوک، افلاس اور محرومی کی آخری حدوں کو چھو رہا ہے۔ یہ تضاد اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ ترقی، امن اور خوش حالی کے تمام دعوے اس وقت تک ادھورے ہیں جب تک معاشرے کے کمزور طبقات کو زندگی کی بنیادی سہولتیں میسر نہ ہو۔

> *''وہ نیم برہنہ بھیلنی بیٹھی ہوئی اپنی پھٹی ہوئی دھوتی سے اس کی قے صاف کر رہی تھی اور پولیس مین اس طرح غلاظت پھیلانے پر گالیاں دے رہا تھا۔'' (7)۔*

اس طرح افسانہ معاشی استحصال کو محض اقتصادی مسئلہ نہیں بلکہ انسانی وقار کے بحران کے طور پر پیش کرتا ہے۔یہ اقتباس اس امر کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ بھوک انسان سے صرف روٹی نہیں چھینتی بلکہ اس کی عزت، شناخت اور سماجی حیثیت کو بھی متاثر کرتی ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں **جبلتِ بقا** محض زندہ رہنے کی خواہش نہیں رہتی بلکہ باوقار زندگی کی جدوجہد میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ کرشن چندر کے نزدیک یہ محرومی کسی فرد کی ذاتی ناکامی نہیں بلکہ ایک ایسے استحصالی معاشرتی نظام کا نتیجہ ہے جس میں دولت، وسائل اور مواقع کی تقسیم غیر مساوی ہے۔ اسی لیے "ننگا پن" اس افسانے میں غربت، بے بسی، طبقاتی استحصال اور انسانی المیے کی جامع علامت بن کر سامنے آتا ہے۔محض غربت کی تصویر کشی نہیں بلکہ **ننگے آنسو** اور **ننگی ہنسی** جیسی علامتوں کے ذریعے انسان کی بے بسی، محرومی اور معاشرتی بے حسی کو مجسم کر دیتا ہے۔ یہاں "ننگا پن" صرف لباس کی عدم موجودگی نہیں بلکہ ریاستی تحفظ، سماجی انصاف اور انسانی وقار سے محرومی کی علامت ہے۔

کرشن چندر اس افسانے میں یہ واضح کرتے ہیں کہ جنگیں صرف میدانِ جنگ تک محدود نہیں ہوتیں بلکہ معاشی ناانصافی، بھوک اور افلاس بھی ایک ایسی خاموش جنگ ہیں جو ہر روز لاکھوں انسانوں کی زندگیوں کو متاثر کرتی ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے کے بعد جب دنیا امن اور خوش حالی کے خواب دیکھ رہی تھی، کرشن چندر نے اس حقیقت کی نشاندہی کی کہ غریب اور محنت کش طبقے کے لیے اصل جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی۔ ان کے لیے بھوک، غربت اور معاشی استحصال ایک ایسے مسلسل عذاب کی صورت اختیار کر چکے ہیں جو ہر روز ان کی زندگی، عزت اور مستقبل کو نگل رہا ہے۔اسی تناظر میں افسانے کا عنوان **"بھوت"** نہایت بامعنی اور علامتی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں "بھوت" کسی مافوق الفطرت مخلوق کی نمائندگی نہیں کرتا بلکہ بھوک، افلاس اور استحصالی معاشی نظام کا استعارہ ہے، جو جنگوں کے خاتمے کے باوجود معاشرے پر مسلط رہتا ہے۔ یہ ایسا بھوت ہے جو غریب انسان کا مسلسل تعاقب کرتا ہے، اسے بنیادی ضروریات سے محروم رکھتا ہے اور اس کی **جبلتِ بقا** کو ہر لمحہ آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔

''قریب ہی اس کی بیوی بیٹھی تھی وہ بھی نیم برہنہ تھی اور وہ ایک نحیف و نزار بچے کو اپنی گود میں لیے ہوئے تھی اور اپنے تندرست نتھنوں سے اُسے دودھ پلانے کی کوشش کر رہی تھی۔'' (8)

جب تک وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم، طبقاتی استحصال اور سرمایہ دارانہ اجارہ داری کا خاتمہ نہیں ہوتا، اس وقت تک بھوک کا یہ "بھوت" معاشرے سے ختم نہیں ہو سکتا۔ اس طرح افسانہ محض ایک غریب خاندان کی داستان نہیں رہتا بلکہ ایک ایسے معاشی اور سماجی نظام پر گہرا احتجاج بن جاتا ہے جو انسانی زندگی کی بنیادی ضروریات کو بھی یقینی بنانے میں ناکام ہے۔ یہی فکر کرشن چندر کے ترقی پسند شعور کی اساس ہے، جہاں ادب سماجی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے معاشی انصاف اور انسانی وقار کا مطالبہ کرتا ہے۔

افسانے میں مچھلی فروش خاندان کا انتخاب اتفاقی نہیں بلکہ علامتی ہے۔ یہ خاندان اس استحصالی معاشرے کی نمائندگی کرتا ہے جہاں محنت کرنے والا طبقہ اپنی بنیادی ضروریات بھی پوری نہیں کر پاتا۔ مرد کا نشے میں مبتلا ہونا صرف ایک فرد کی اخلاقی کمزوری نہیں بلکہ اس معاشی نظام کی پیداوار ہے جو انسان کو اس قدر بے بس کر دیتا ہے کہ وہ حقیقت سے فرار کے لیے نشے کا سہارا لینے لگتا ہے۔ دوسری طرف عورت اپنے بیمار بچے کو بچانے کے لیے بے قرار ہے۔ اس کی بے بسی دراصل ایک ماں کی فطری **جبلتِ بقا** کا اظہار ہے، جو اپنی اولاد کو ہر قیمت پر زندہ دیکھنا چاہتی ہے۔

'' وہ رو رہی تھی اور اس کا نحیف و نزار بچہ قے پر قے کر رہا تھا اور اس کا دم اُلٹ رہا تھا اور پلیٹ فارم کا فرش غلیظ ہو گیا تھا اور بچے کی گردن ایک طرف جھک گئی تھی۔'' (9)

افسانے میں "بھوت" ایک نہایت طاقتور علامت ہے۔ یہ کسی مافوق الفطرت مخلوق کا نام نہیں بلکہ بھوک، افلاس اور معاشی استحصال کا استعارہ ہے۔ یہ ایسا بھوت ہے جو غریب انسان کے جسم، ذہن اور روح پر قابض رہتا ہے۔ جنگ کے خاتمے کے بعد بھی جب بچے بھوک سے مرتے ہیں، مائیں بے بسی سے روتی ہیں اور محنت کش طبقہ محرومی کی زندگی بسر کرتا ہے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انسانیت کا اصل دشمن جنگ نہیں بلکہ وہ معاشی نظام ہے جو چند طبقات کی خوشحالی کے لیے اکثریت کو بھوک اور محرومی کی زندگی گزارنے پر مجبور کرتا ہے۔

کرشن چندر اس افسانے میں جمہوریت، امن اور آزادی کے ان تمام دعوؤں پر بھی گہرا طنز کرتے ہیں جو صرف سیاسی نعروں تک محدود رہ جاتے ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے کا جشن اس وقت اپنی معنویت کھو دیتا ہے جب ایک معصوم بچہ بھوک سے مر جاتا ہے۔ مصنف یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ اگر انسان کو روٹی، علاج اور زندگی کا حق میسر نہیں تو امن، آزادی اور جمہوریت جیسے تصورات محض رسمی دعوے رہ جاتے ہیں۔ اس طرح افسانہ سیاسی نظام اور معاشی ڈھانچے دونوں پر ایک ہمہ گیر تنقید بن جاتا ہے۔افسانے میں ماں کے پستان صرف مادریت کی علامت نہیں بلکہ زندگی اور بقا کی علامت بھی ہیں۔ وہ اپنے بچے کو زندگی دینے کی کوشش کرتی ہے، مگر بھوک اور غربت اس کوشش کو بے اثر بنا دیتی ہے۔ اس طرح کرشن چندر یہ واضح کرتے ہیں کہ جب معاشی استحصال شدت اختیار کر جائے تو ماں کی فطری محبت اور قربانی بھی اپنی تمام تر خلوص کے باوجود بھوک کے سامنے بے بس دکھائی دیتی ہے۔ یہ بے بسی کسی ایک خاندان کی نہیں بلکہ اس پورے محنت کش طبقے کی علامت ہے جو اپنی محنت کے باوجود بنیادی ضروریات سے محروم رہتا ہے۔

افسانہ ''مہا لکشمی کا پل'' اولین سطح پر زندگی کے تلخ حقائق کو بے نقاب کرتا ہے۔ اس افسانے میں ماں کے کردار کے علاوہ بھی عورت خالص ہندوستانی رہن سہن، اعتقادات اور معاشی رجحانات تک محدود نہیں بلکہ اس کی زندگی ایک طویل تاریخ اور جغرافیائی قدروں پر پھیلی ہوتی ہیں۔

''شانتا بھائی کی زندگی بھی اس کی ساڑھی کے رنگ کی طرح بھوری ہے۔ شانتا بھائی برتن مانجھنے کا کام کرتی ہے اس کے تین بچے ہیں..... شانتا بھائی کے گھر چولہا اس وقت سلگ سکتا ہے جب دوسروں کے ہاں چولہے ٹھنڈے ہو جائیں۔'' (10)

کرشن چندر نے **"مہالکشمی کا پل"** میں شانتا بھائی کے کردار کے ذریعے ہندوستانی محنت کش عورت کی معاشی زندگی کو نہایت حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ شانتا بھائی کسی ایک عورت کی نمائندہ نہیں بلکہ اس پورے مزدور طبقے کی علامت ہے جو اپنی مسلسل محنت کے باوجود بنیادی ضروریات پوری کرنے سے محروم رہتا ہے۔ اس کی **بھوری ساڑی** محض لباس نہیں بلکہ اس کی بے رنگ زندگی، غربت، مسلسل مشقت اور معاشی محرومی کی علامت ہے۔ کرشن چندر نے ساڑی کے رنگ کو کردار کی داخلی اور خارجی زندگی سے جوڑ کر ایک مؤثر علامتی نظام تشکیل دیا ہے، جس کے ذریعے طبقاتی تفاوت اور معاشی ناہمواری کو نمایاں کیا گیا ہے۔شانتا بھائی کا برتن مانجھنا بھی محض ایک پیشہ نہیں بلکہ طبقاتی تقسیم کی علامت ہے۔ وہ دوسروں کے گھروں کی صفائی کرتی ہے، ان کے برتن چمکاتی ہے اور ان کے چولہوں کو روشن رکھنے میں اپنا کردار ادا کرتی ہے، لیکن اس کے اپنے گھر کا چولہا اس وقت جلتا ہے جب دوسروں کے گھروں کے چولہے بجھ چکے ہوتے ہیں۔ کرشن چندر

کا یہ جملہ پورے استحصالی معاشی نظام پر ایک گہرا طنز ہے، جہاں محنت کرنے والا طبقہ اپنی محنت کے ثمرات سے خود محروم رہتا ہے۔یہ منظر کارل مارکس کے نظریۂ معاشی استحصال (Economic Exploitation) کی یاد دلاتا ہے، جس کے مطابق سرمایہ دارانہ نظام میں محنت کش اپنی محنت سے پیدا ہونے والی قدر سے محروم رہتا ہے، جبکہ اس کی محنت کا اصل فائدہ دوسرا طبقہ حاصل کرتا ہے۔ شانتا بھائی کی زندگی اسی معاشی ناہمواری کی عملی تصویر ہے، جہاں محنت اس کی ہے مگر آسائش کسی اور کے حصے میں آتی ہے۔

افسانے میں وہ حقائق کا تصور متنوع انداز میں سامنے لاتے ہیں ۔ جن کو دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انسانی زندگی محض سانس تک وابستہ نہیں بلکہ اس کے امکانات وسیع تر ہیں۔ وہ داخل کی کیفیات کی مکمل تصویر کشی کرتے ہیں۔ ان کا مشاہدہ، ماں کے کردار کو مکمل ہندوستانی تاریخ و تہذیب کا زاویہ بناتا ہے جو سرمایہ داری کے تحت ،عروج پانے والے معاشی تفریق، طبقاتی کشمکش اور سماج کے منفی و مثبت دونوں زاویوں کو پیش کرتا ہے۔ ان کے افسانوں میں تصورِ اُم ہندوستانی باشندوں کی نفسیاتی و فکری رجحانات کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ کردار سماج میں ایسے اجتماعی و انفرادی زندگی کی بنیاد رکھنے کے خواہش مند ہیں کہ وہ انسانی قدروں پر مشتمل ہو، تاہم مٹھی بھر ظالم و جابر افراد کے استحصال پوری انسانیت کے لیے لمحۂ فکریہ بن جاتا ہے۔

''یہ عورتیں جو ہمارے پیارے پیارے بچوں کی مائیں ہیں ہمارے بھائیوں کے عزیز بہنیں ہیں۔ ہماری معصوم محبتوں کا گیت ہے ہماری پانچ ہزار سالہ تہذیب کا سب سے اونچا نشان ہیں وزیر صاحب! یہ ہوا میں جھولتی ہوئی ساڑھیاں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہیں۔ تم سے کچھ مانگتی ہیں۔'' (11)

کرشن چندر اس اقتباس میں ساڑی کو محض عورت کے لباس کے طور پر پیش نہیں کرتے بلکہ اسے ہندوستانی تہذیب، عورت کے وقار، محنت اور انسانی زندگی کی علامت میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ جب مصنف لکھتے ہیں کہ **"یہ ہوا میں جھولتی ہوئی ساڑھیاں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہیں، تم سے کچھ مانگتی ہیں"** تو درحقیقت یہ مطالبہ کسی کپڑے کا نہیں بلکہ ان عورتوں کا ہے جن کی زندگی غربت، بھوک اور معاشی استحصال کی نذر ہو چکی ہے۔ گویا ساڑیاں ان خاموش آوازوں کی نمائندہ بن جاتی ہیں جو اپنے بنیادی حقوق، معاشی انصاف اور باوقار زندگی کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ امرتیہ سین (Amartya Sen) کےمطابق غربت اور بھوک کا سبب صرف وسائل کی کمی نہیں بلکہ ان وسائل تک غیر مساوی رسائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"Starvation is the characteristic of some people not having enough food to eat. It is not the characteristic of there being not enough food to eat."12

کرشن چندر نے عورت کو محض گھر کی زینت یا جذباتی کردار کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ اسے خاندان، تہذیب اور سماج کی بنیاد قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عورت کو **"ہمارے پیارے بچوں کی مائیں"، "ہمارے بھائیوں کی عزیز بہنیں"** اور **"پانچ ہزار سالہ تہذیب کا سب سے اونچا نشان"** قرار دیتے ہیں۔ اس تعبیر سے واضح ہوتا ہے کہ اگر عورت بھوک، افلاس اور محرومی کا شکار ہے تو درحقیقت پوری تہذیب زوال کا شکار ہے۔ اس طرح کرشن چندر عورت کی معاشی حالت کو قومی اور تہذیبی مسئلہ بنا دیتے ہیں۔کرشن چندر بھی یہی حقیقت بیان کرتے ہیں کہ عورت کی محرومی قدرتی نہیں بلکہ ایک غیر منصفانہ معاشی نظام کا نتیجہ ہے، جہاں محنت کرنے والا طبقہ اپنی بنیادی ضروریات سے بھی محروم رہتا ہے۔اسی تناظر میں کارل مارکس کا تصورِ معاشی استحصال بھی اہمیت اختیار کرتا ہے۔ مارکس کے مطابق سرمایہ دارانہ نظام میں محنت کش طبقہ اپنی محنت کے ثمرات سے محروم رہتا ہے، جبکہ پیدا ہونے والی دولت پر ایک محدود طبقہ قابض ہو جاتا ہے۔ "مہالکشمی کا پل" میں ساڑیاں اسی طبقاتی تقسیم کی علامت ہیں۔ ایک طرف قیمتی اور رنگین ساڑیاں آسودگی، دولت اور سماجی برتری کی نمائندگی کرتی ہیں، جبکہ دوسری طرف میلی اور بوسیدہ ساڑیاں بھوک، محرومی اور استحصال کی داستان سناتی ہیں۔اس اقتباس سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوتی ہے کہ کرشن چندر کے نزدیک بھوک صرف فرد کا مسئلہ نہیں بلکہ تہذیب کا مسئلہ ہے۔ جب عورت، جو خاندان اور سماج کی بنیاد ہے، معاشی استحصال کا شکار ہو تو اس کے اثرات آنے والی نسلوں تک منتقل ہوتے ہیں۔ اسی لیے ہوا میں لہراتی ہوئی ساڑیاں دراصل معاشرے کے ضمیر کو جھنجھوڑتی ہیں اور سوال اٹھاتی ہیں کہ کیا تہذیب کی بقا صرف نعروں سے ممکن ہے یا اس کے لیے معاشی انصاف، انسانی وقار اور بنیادی ضروریات کی فراہمی بھی ناگزیر ہے؟

''شانتا بائی کی زندگی بھی اس کی ساڑھی کے رنگ کی طرح بھوری ہے، شانتا بائی برتن مانجنے کا کام کرتی ہے اس کے تین بچے ہیں۔۔۔'' (13)

کام سے واپسی پر آکر وہ خود کو صاف کرتی ہے، اپنی ساڑھی دھوتی ہے، اپنے گھر میں پٹھے پرانے کپڑے پہنتی ہے۔ مصنف نے شانتا بائی کی غربت و مشکلات کو پیش کرنے کے لیے اس کے متعلق کہا ہے کہ ان کے گھر چولہا تب جلتا ہے جب دوسرے کے گھر بجھ جاتا ہے۔

''شانتا بائی کے گھر چولہا اس وقت سلگ سکتا ہے جب دوسروں کے ہاں چولہے ٹھنڈے ہو جائیں۔'' (14)

شانتا بائی کی ساڑھی، پانچ چھ مہینے چلتی ہے،جس کا رنگ بورا ہوتا ہے۔ مصنف رنگوں سے شانتا بائی کے ماضی میں جھانکتا ہے۔ان کے معاعی حالات کا تقابل کرتا ہے۔جب ان کے پاس بنیادی وسائل موجود تھے تو وہ شوخ رنگ کے کپڑے پہنتی تھی، اور جب وہ اپنے گاؤں میں رہتی تھی۔ اس کا باپ دھان کے کھیت رکھتا تھا۔ اس کے آنگن میں امرود کا ایک درخت تھا، جس سے وہ ڈالی توڑ کر امرود کھاتی تھی، اس وقت بادلوں میں شوخ رنگ کی دھنک اور شوخ رنگوں کی بہار اس نے دیکھی تھی، البتہ اب ان امرودوں میں مزا ہے اور نہ ہی رنگوں میں چمک دمک، بلکہ اب اس کے سارے شوخ بھورے رنگ میں بدل چکے ہیں۔ ان کے بچوں کی حالت زار کا نقشہ وہ یوں پیش کرتے ہیں:

''یوں تو یہ دن بھر روتا رہتا ہے کیونکہ اسے دودھ نہیں ملتا ہے اور اکثر بھوک رہتی ہے۔۔۔ اسے اپنی ماں کا دودھ دوسرے بھائی، بہن کی طرح صرف پہلے پہلے چھ سات ماہ نصیب ہوا وہ بھی بڑی مشکل سے۔ پھر یہ خشک باجرے اور ٹھنڈے پانی پر پلنے لگا۔'' (15)

کرشن چندر کے افسانے **"مہالکشمی کا پل"** اور **"بھوت"** اپنے موضوع، اسلوب اور علامتی نظام کے اعتبار سے ترقی پسند افسانہ نگاری کی نمایاں تخلیقات ہیں۔ اگرچہ دونوں افسانوں کا ظاہری ماحول اور کردار مختلف ہیں، تاہم ان کا بنیادی فکری محور **بھوک، معاشی استحصال، طبقاتی تفاوت اور انسان کی بقا کی جدوجہد** ہے۔ کرشن چندر نے ان افسانوں کے ذریعے اس حقیقت کو اجاگر کیا ہے کہ معاشرے میں بھوک محض خوراک کی کمی کا مسئلہ نہیں بلکہ ایک غیر منصفانہ معاشی نظام، وسائل کی غیر مساوی تقسیم اور طبقاتی استحصال کا نتیجہ ہے۔**مہالکشمی کا پل"** میں مختلف رنگوں کی ساڑیاں، عورتوں کی معاشی حیثیت، ان کا طرز زندگی اور ان کی محرومیاں طبقاتی تقسیم کی علامت بن کر سامنے آتی ہیں۔ کرشن چندر نے ساڑی کو ایک ثقافتی اور سماجی علامت میں تبدیل کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ عورت کی معاشی حیثیت اس کے لباس، رہن سہن اور زندگی کے معیار سے جھلکتی ہے۔ شانتا بائی جیسے کردار محنت کش طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں، جن کی مسلسل محنت کے باوجود بنیادی ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ ان کے گھر کا چولہا دوسروں کے گھروں کے چولہے بجھنے کے بعد جلنا اس استحصالی معاشی نظام کی بھرپور علامت ہے، جس میں محنت کا ثمر محنت کش کے بجائے خوش حال طبقے کو حاصل ہوتا ہے۔اس کے برعکس **"بھوت"** میں کرشن چندر نے بھوک کو ایک ایسے علامتی استعارے کی صورت میں پیش کیا ہے جو جنگوں، سیاسی نعروں اور ترقی کے تمام دعووں کو بے معنی بنا دیتا ہے۔ افسانے میں بھوک کسی ایک خاندان کا مسئلہ نہیں بلکہ پورے معاشرے کا اجتماعی المیہ ہے۔ مچھلی فروش کا خاندان، بھوک سے مرتا ہوا بچہ، بے بس ماں، ننگا پن اور خاموش احتجاج اس حقیقت کو نمایاں کرتے ہیں کہ جب تک انسان کی بنیادی ضروریات پوری نہیں ہوتیں، امن، آزادی اور ترقی جیسے تصورات اپنی عملی اہمیت کھو دیتے ہیں۔

ان دونوں افسانوں میں عورت کا کردار خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ کرشن چندر عورت کو صرف گھریلو کردار کے طور پر نہیں بلکہ خاندان، تہذیب اور انسانی بقا کی علامت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ "بھوت" کی ماں ہو یا "مہالکشمی کا پل" کی شانتا بائی، دونوں اپنی محنت، ایثار اور قربانی کے باوجود معاشی استحصال کا شکار ہیں۔ اس طرح کرشن چندر عورت کے ذریعے اس طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں جو معاشرے کا سب سے زیادہ بوجھ اٹھاتا ہے، لیکن سب سے کم معاشی تحفظ حاصل کرتا ہے۔علامتی اعتبار سے بھی دونوں افسانے نہایت اہم ہیں۔ **"مہالکشمی کا پل"** میں ساڑی، رنگ اور چولہا جبکہ **"بھوت"** میں بھوت، دودھ، ننگا پن، بھوک اور بچے کی موت ایسے استعارے ہیں جو افسانوں کے فکری نظام کو گہرائی عطا کرتے ہیں۔ یہ علامتیں محض ادبی حسن پیدا نہیں کرتیں بلکہ معاشی استحصال، انسانی محرومی اور طبقاتی ناانصافی کو مؤثر انداز میں قاری کے سامنے پیش کرتی ہیں۔

ابراہم میسلو کے نظریۂ ضروریات کی روشنی میں دیکھا جائے تو دونوں افسانے اس حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں کہ خوراک اور دیگر بنیادی ضروریات انسانی زندگی کی اساس ہیں۔ جب یہ ضروریات پوری نہ ہوں تو انسان کی تمام تر جدوجہد بقا تک محدود ہو جاتی ہے۔ اسی طرح امرتیہ سین کے نظریۂ **Entitlement** کے مطابق بھوک وسائل کی قلت سے زیادہ وسائل تک غیر مساوی رسائی کا نتیجہ ہے۔ کرشن چندر کے دونوں افسانے اسی معاشی حقیقت کی ادبی تعبیر پیش کرتے ہیں، جہاں محنت کش طبقہ اپنی محنت کے باوجود بنیادی ضروریات سے محروم رہتا ہے۔

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کرشن چندر نے **"مہالکشمی کا پل"** اور **"بھوت"** میں بھوک کو صرف جسمانی ضرورت کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ اسے انسانی وقار، معاشی انصاف اور سماجی مساوات کے مسئلے سے جوڑا ہے۔ ان کے نزدیک بھوک ایک ایسا اجتماعی المیہ ہے جو استحصالی معاشی نظام کی پیداوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں افسانے آج بھی اپنی فکری معنویت، سماجی شعور اور انسانی ہمدردی کے باعث اردو افسانے کی اہم تخلیقات میں شمار ہوتے ہیں۔

حوالہ جات:

Reference: Freud, Sigmund. *Beyond the Pleasure Principle*. Vienna: International Psycho-Analytical Press, 1920.

https://dn711406.ca.archive.org/0/items/in.ernet.dli.2015.198216/2015.198216.Motivation-And-Personality.pdf page 59

https://dn711406.ca.archive.org/0/items/in.ernet.dli.2015.198216/2015.198216.Motivation-And-Personality.pdf page 57

https://dn711406.ca.archive.org/0/items/in.ernet.dli.2015.198216/2015.198216.Motivation-And-Personality.pdf page 54

(کرشن چندر، بھوت، مشمولہ تین غنڈے، انڈین بک کمپنی لمیٹڈ دہلی، ۱۹۴۹ء ، ص 46(

ایضا

کرشن چندر، بھوت، مشمولہ تین غنڈے، انڈین بک کمپنی لمیٹڈ دہلی، ۱۹۴۹ء، ص ۱۱۵

کرشن چندر، بھوت، مشمولہ تین غنڈے، انڈین بک کمپنی لمیٹڈ دہلی، ۱۹۴۹ء، ص ۱۰۹

کرشن چندر، بھوت، مشمولہ تین غنڈے، انڈین بک کمپنی لمیٹڈ دہلی، ۱۹۴۹ء، ص ۱۱۵

کرشن چندر، مہا لکشمی کا پل، کرشن چندر کے انمول افسانے، عبداللہ اکیڈمی، اردو بازار، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص 84

ایضا

(Sen, *Poverty and Famines*, 1981, p. 1)

کرشن چندر، مہا لکشمی کا پل، کرشن چندر کے انمول افسانے، عبداللہ اکیڈمی، اردو بازار، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۷۵

ایضا

ایضا